قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ
رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

وعظ المسمّٰی بہ

الصلوٰۃ فی الصلوٰۃ

منجملہ ارشادات حکیم الامۃ حضرت مرشدی و مولائی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہم

حسب فرمائش جناب ناظم صاحب امداد المواعظ تھانہ بھون

احقر شبیر علی عفی عنہ

مالک اشرف المطابع تھانہ بھون نے اپنے اہتمام سے شائع کیا

رسالہ المبلغ نمبر ۲ ج ۳ بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ

الصلاۃ فی الصلوات

ای ثمراتھا فیھا ۱۲ منہ

این	کہاں ہوا	مکان حضرت حکیم الامۃ تھانہ بھون
متی	کب ہوا	شب ۲ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ بعد مغرب
کم	کتنی دیر ہوا	۲ گھنٹہ ۵ منٹ
کیف	کس ہیئت سے ہوا	پلنگ پر بیٹھکر
لم	کیوں ہوا	بعض مہمان مستورات کی درخواست پر
ماذا	کیا مضمون تھا	نماز کی فضیلت کہ تمام اعمال میں مقصود لذاتہا نماز ہی ہے بقیہ اعمال مقصود لغیرہا ہیں
من المخاطب	کس طبقہ کے مناسب تھا	تمام مسلمانوں کو عموماً۔
من ضبط	کسنے ضبط کیا	احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔
المستمعون	سامعین کی تخمینی تعداد	مرد تقریباً ۳۵ مجمع مستورات انکے علاوہ تھا۔
الاشتات	متفرقات	نماز کی فضیلت میں یہ بیان بہت ہی عجیب ہے۔ ۱۲ ظفر

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ واقم الصلوۃ لذکری۔ یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اسمیں موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہے جو کوہ طور پر عطائے نبوت کے وقت ارشاد ہوا اس

حکم ہے نماز کا یہ حاصل ہے اسوقت کے مضمون کا وجہ اسکے اختیار کرنیکی یہ ہے کہ بعض مہمانوں نے جنمیں زیادہ مستورات ہیں بیان کی فرمایش کی ہے کہ کچھ احکام ہمکو بھی سنادیئے جائیں انکی مصلحت سے یہ بیان تجویز کیا گیا چونکہ وقت مختصر ہے یعنی مغرب سے عشا تک اسلیئے مختصر ہی بیان کا قصد عہ ہے کیونکہ مضامین طویلہ بھی مختصر ہو سکتے ہیں اگر انکو اجمال کے درجہ میں رکھا جائے گویا اعتبار ما لہ وما علیہ کے بیان میں تطویل نکی جائے بلکہ اصل مقصود پر نظر رکھی جائے تو طویل مضمون بھی مختصر ہو سکتا ہے چنانچہ نماز کا بیان جسقدر طویل ہے سبکو معلوم ہے فقہا کی کتابوں میں بھی اسکی بحث بہت طویل ہے اور صوفیہ کے رسائل میں بھی اگر اسکی پوری تفصیل کیجائے تو زمانہ دراز چاہیئے پھر اس مختصر وقت میں جو ایک گھنٹہ سوا گھنٹہ کی مقدار ہے کیونکہ اتنی ہی دیر بیان کرنیکا ارادہ ہے پوری تفصیل کیونکر ہو سکتی ہے لیکن وہی بات ہے جو میں کہہ چکا ہوں کہ اگر درجۂ اجمال پر کفایت کیجائے تو طویل بیان بھی مختصر ہو سکتا ہے چنانچہ اسوقت بھی ارادہ ہے کہ مختصر بیان کرونگا مگر وہ مجمل تو ہوگا مبہم نہوگا انشاء اللہ جسقدر بیان ہوگا واضح ہوگا۔ اور چونکہ بیان مستورات کی فرمائش سے تجویز ہوا ہے اسلیئے مضمون بھی اُنکے مناسب اختیار کیا گیا اور وہ مضمون نماز کا ہے کیونکہ مستورات شریعت کے اور کاموں کی مشتاق بھی ہیں اور مستعد بھی ہیں مگر نماز سے بہت ہی کاہل اور غافل ہیں نماز کا نہ انکو زیادہ شوق ہے نہ اسکے لیئے ہمت کرنیکا خیال ہے اور در اصل ساری کوتاہی کا منشا یہی ہے کہ نماز کا شوق نہیں اگر شوق ہوتا تو سب کوتاہی خود بخود رفع ہو جاتی اور جتنے بہانے کیئے جاتے ہیں سبکا جواب وہ شوق ہی دیدیتا اور یہاں سے ایک بات کام کی یاد آگئی جو شاید پہلے بیانات میں بھی مذکور ہوئی ہے چونکہ وہ نہایت کام کی بات ہے اسلیئے اسوقت بھی بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ صرف بندہ کے ارادہ سے کام نہیں ہوتا یہ مطلب نہیں کہ ہو نہیں سکتا بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ ہوتا نہیں ہے بارہا اس کا تجربہ ہو چکا ہے خصوصاً دوام و استمرار تو محض ارادہ سے ہوتا ہی نہیں بلکہ ایک اور چیز ہے جسکو داعیہ و تقاضا کہا جاتا ہے کام اُس سے ہوتا ہے اسی کا نام شوق ہے جو کام محض ارادہ سے ہو وہ دوامی نہیں ہو سکتا بلکہ کام داعیہ سے

عہ ارادہ صرف ایک گھنٹہ بیان کرنیکا تھا مگر بلاقصد دو گھنٹے تک طویل ہو گیا ۱۲ ظ ہ

ہوتا ہے جو محض وہبی ہے ہر چند کہ ارادہ بھی مخلوقِ حق ہے مگر پھر بھی اسمیں اکتساب کو بھی دخل ہے جسکی وجہ سے بندہ کی طرف بھی اسکی اسناد کیجاتی ہے اور تقاضا محض موہوب ہے اور اسکی بھی ضرورت ہے کیونکہ اکتساب کا حال تو معلوم ہو گیا کہ بعض لوگ زمانہ دراز سے تہجد کی تمنا کرتے ہیں اور اب تک اسمیں کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ ابتک اُنمیں محض شوق عقلی ہے شوق طبعی جسکو تقاضا کہتے ہیں وہ ابھی انکو حاصل نہیں ہوا۔ اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حسن اعمال کا دوام جس سے صدور ہوتا ہے یہ محض موہبت ہے حق تعالیٰ نے ایک داعیہ آپ کے اندر پیدا کر دیا ہے جو کشاں کشاں آپکو عمل کیطرف لیجاتا ہے اسلئے ہمکو اپنے اعمال پر ناز نکرنا چاہئے اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک بچہ ہے جو لکھنا نہیں جانتا مگر دوات و قلم کو دیکھکر خوش ہوتا ہے اور لکھنے کی کوشش کرتا ہے آپنے اس سے کہا لکھو اور اپنے ہاتھ میں اسکا ہاتھ لیکر اپنے ایک دو لفظ لکھدیئے انکو دیکھکر بچہ خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے یہ لفظ لکھے اور آپ بھی تعریف کرتے ہیں کہ ابتو تم منشی ہو گئے بس اسی طرح حق تعالیٰ آپ سے کام لیتے ہیں اور نام آپکا کر دیتے ہیں کہ تم نے نماز پڑھی قرآن پڑھا ذکر کیا اسی لئے حدیث میں استعملہ کا لفظ آیا ہے اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں — مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند

اور ایک صاحب فرماتے ہیں ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل — نسیم صبح تیری مہربانی

اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں فاما من اعطیٰ واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ فسنیسرہٗ للیسریٰ واقعی حق تعالیٰ کی طرف سے تیسیر ہوتی ہے کہ جو کام دوسروں کو دشوار تھا آپ کیلئے آسان کر دیا اور وہ آسانی داعیہ سے ہوتی ہے اسی کا نام توفیق ہے جو لوگ راستہ طے کرتے ہیں وہ اسکو خوب جانتے ہیں کہ سب کام حق تعالیٰ کی تیسیر ہی سے ہوتے ہیں گو اعتقاد تو ہر مسلمان کو ہے مگر انکو اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کیونکہ وہ راستہ طے کر رہے ہیں جسمیں انکو عقبات پیش آتے ہیں اسوقت انکو حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اور عقبات اسی کو پیش آتے ہیں جو کام کرنیوالا ہو رستہ پر چل رہا ہو اور اُسکو طے کرنے کی فکر میں ہو اور جو کام

ہی نکرے راستہ طے کرنیکا قصد ہی نکرے اُسکو کیا پیش آئیگا خاک - آجکل ایک نئے درویش ہیں جو لوگوں کو مرید کرنے لگے ہیں اور خود کسی محقق سے تعلق نہیں نہ اجازت ہے ان سے کسی نے کہا کہ تمکو طریق میں کوئی اشکال پیش آتا ہوگا تو کس سے حل کرتے ہوگے کیونکہ تمہارا کسی محقق سے تو تعلق ہے ہی نہیں تو جواب دیا کہ مجھے اشکال ہی نہیں ہوتا سائل نے یہ جواب مجھسے نقل کیا میں نے کہا وہ سچ کہتے ہیں تم اُنکی تکذیب نکرو کیونکہ اشکال تو اُسے پیش آئے گا جو کچھ کام کرے اور وہ کچھ کرتے ہی نہیں کورے ہیں اُنکو کیا اشکال ہوتا غرض جو لوگ کام کرتے ہیں اُن کو عقبات پیش آتے ہیں اور اُسوقت اُنکو اس حقیقت کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ جو کچھ کام ہوتا ہے حق تعالیٰ کے کام لینے سے ہوتا ہے اگر وہ کام نہ لیں تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا ایک عارف کا قصہ غالباً عوارف میں لکھا ہے اور غالباً محض احتیاط کیلئے کہدیا ہے ورنہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ قصہ اسی میں ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے ارادہ کیا کہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کروں تو کلمہ زبان سے نہ نکلا زبان بند ہوگئی ہر چند زبان کو حرکت دی مگر لا الٰہ الا اللہ زبان سے نہ نکلا چونکہ ان لوگوں کی دوسروں سے زیادہ تربیت ہوتی ہے گو رحمت عامہ اور تربیت عامہ سب پر ہے مگر انپر رحمت خاصہ ہوتی ہے اور تربیت بھی انکی خاص طور پر ہوتی ہے اسلئے انکو ایسی باتیں پیش آتی ہیں تاکہ ہر وقت متنبہ رہیں بس یہ سمجھ گئے کہ یہ کسی جرم کی سزا ہے جو مجھ سے صادر ہوا ہے مگر اُسوقت یاد نہ آیا آخر سوچنا شروع کیا اور حضرت حق سے بھی دعا کی کہ مجھے اُس جرم پر مطلع کیا جائے تاکہ میں اس سے اہتمام کی ساتھ توبہ کروں دیر کے بعد یاد آیا کہ کتنے برس کا عرصہ ہوا ایک کلمہ لاابالی پن میں زبان سے نکل گیا تھا جسمیں حضرت کی شان میں کچھ گستاخی تھی آج مدت کے بعد اُسکی سزا دی گئی اللہ اکبر کیسا حلم ہے کہ فوراً گناہ کی سزا نہیں دیتے کبھی تو ہاتھ کے ہاتھ سزا مل جاتی ہے اور کبھی دیر میں سزا ہوتی ہے اور زیادہ یہی ہے کہ فوراً سزا نہیں دیتے ہر فعل میں حکمت ہوتی ہے بس کسی گناہ پر اگر فوراً سزا نہو یا کچھ عرصہ تک نہو تو اُس سے بیفکری نہ چاہیئے۔ کیونکہ سزا میں تعجیل لازم نہیں غرض ان بزرگ نے جرم یاد آنے کے بعد اُس سے توبہ کی اور زبان جاری ہوگئی ان حضرات کو ایسے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جیسے اعمال کا موہبت ہونا انکو مشاہد ہوجاتا ہے واقعی وہی کام لینا چاہتے ہیں جو ہماری زبان سے ذکر جاری ہوتا ہے اور ہمکو نماز کی توفیق ہوتی ہے ورنہ

اگر وہ زبان بند کر دیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں اور طریق حق کو تو کیا مجال ہے کہ ہم خود طے کر سکیں جسکی شان یہ ہے ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا ۔ کہ میبالد بخود این راہ چوں تاک از بریدنہا

پس اب جو لوگ واصل ہیں وہ خود واصل نہیں ہوئے کہ منزلیں طے کر کے حق تعالیٰ تک پہونچے ہوں بلکہ گویا حق تعالیٰ ہی خود اُن کے پاس پہونچ گئے انھوں ہی نے مسافت کو کم کر دیا ورنہ بڑا طویل قصہ تھا تو اب یوں کہنا چاہئے کہ ؎

خود بخود آں شہ ابرار بہر می آید ۔ نہ بزور و نہ بزاری نہ بزر می آید

شاعر نے تو بت عیار کہا تھا میں نے اُسکو بدلکر شہ ابرار کر دیا کیونکہ وہ لفظ ایسے موقعہ پر خلاف ادب ہے۔ بہرحال کام شوق سے ہوتا ہے کہ قلب میں داعیہ پیدا ہو جائے محض ارادہ سے کام نہیں ہوتا اور عورتوں کو نماز کو شوق اور تقاضا نہیں ہے دوسرے اعمال کا شوق بھی ہے تقاضا بھی ہے چنانچہ روزہ کا عورتوں کو شوق بھی ہے اور اُسکے لئے مردوں سے زیادہ مستعد ہیں اور جنمیں بخل زیادہ نہیں اُنکو زکوۃ دینے کا بھی شوق ہے اور حج کا ولولہ بھی ان میں بہت ہے مگر نماز کا نہیں اسی کی شکایت ہے شاید آپ یہ کہیں کہ ابھی تو تم کہچکے ہو کہ شوق وہبی ہے کسبی نہیں پھر شکایت کیا اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک شوق وہبی ہے مگر شوق پیدا کرنیکے اسباب تو اختیاری ہیں تو میری شکایت کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں شوق پیدا کرنیکے اسباب بھی اختیار نہیں کرتیں۔ اگر کسی میں بطور وہب کے شوق نہیں ہے تو اسکے اسباب اختیار کر کے کسب کے شوق کو حاصل کرنا چاہئے گو اُسوقت بھی وہ حاصل ہوگا وہب ہی سے مگر حق تعالیٰ نے اکثر وہب کیلئے بھی کچھ اسباب کسبیہ ایسے بنا دئے ہیں جنکے اختیار کرنے پر عادۃً وہب مرتب ہو جاتا ہے اور مقصود حصول وہب ہے خواہ خود بخود ہو جائے یا تمھارے کسب پر مرتب ہو جائے اسی کو ہمارے حضرت فرمایا کرتے ہیں ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف ۔ گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

اسی طرح خود بخود شوق پیدا ہو جائے تو کیا اور اسباب اختیار کرنے پر مرتب ہو جائے تو کیا ہر حالت میں مقصود حاصل ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اسباب ترتب شوق اختیاری ہیں تو اب میری

شکایت صحیح ہے اور اس شکایت کا حاصل یہی ہے کہ گو شوق وہبی ہے مگر جن اسباب پر اس وہب کا ترتب ہوتا ہے وہ اختیاری ہیں انکو کیوں نہیں اختیار کیا گیا دیکھو دخول جنت اور حصول مغفرت محض وہبی ہے چنانچہ حدیث میں لا یدخل الجنۃ احد بعملہ کہ عمل سے جنت میں کوئی نہ جائیگا بلکہ محض فضل سے جائیگا مگر باینہمہ ارشاد ہے سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضہا کعرض السموات والارض اسمیں جنت و مغفرت کی طرف مسارعت کا امر ہے گویا ارشاد ہے کہ جنت و مغفرت کو حاصل کرو حالانکہ جب وہ موہبت محضہ ہے اور اختیار سے خارج ہے تو اسکو کیسے حاصل کریں او غیر اختیاری کی تحصیل کا امر کیا بات وہی ہے کہ گو یہ چیزیں فی نفسہ وہبی ہیں اور بالذات اختیاری نہیں مگر عادۃً جن اسباب پر اس موہبت کا ترتب ہوجاتا ہے وہ اسباب اختیاری ہیں اسلیے انکی ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو اختیارات کی ساتھ کیا جاتا ہے کہ انکی تحصیل کا امر ہے اور انکی طرف مسارعت نکرنے پر شکایت ہے اب سوال ہوتا ہے کہ کیا جنت و مغفرت کے حاصل کرنیکا کوئی راستہ ہے جسکی طرف دوڑیں اور دوڑکر جنت میں پہونچ جائیں مولانا اس اشکال سے گھبرا کر پھر سنبھلکر فرماتے ہیں ؎

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید ۔۔۔ خیرہ یوسف وار می باید دوید

کہ واقعی گو اس دنیا میں جنت تک پہونچنے کا کوئی راستہ اور سوراخ نظر نہیں آتا مگر تمکو چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کی طرح دنیا سے پریشان ہوکر بھاگنا شروع کرو یعنی جتنا تم عمل کر سکتے ہو اتنا عمل شروع کرو پھر وہ خود تمہارے سامنے راستہ کھولدیں گے جیسے یوسف علیہ السلام کے قصہ میں مشہور ہے کہ جب زلیخا نے انکو سات دروازوں کے اندر طلب کیا اور ہر دروازہ کو مقفل کردیا تو ظاہر میں بھاگنے کے سب راستے بند تھے مگر انھوں نے خدا کے بھروسہ پر اپنا عمل شروع کردیا کہ وہاں سے بھاگے یہ تو ان کا فعل تھا آگے حق تعالیٰ کی امداد تھی کہ جس دروازہ پر پہونچے اس کا قفل ٹوٹتا گیا اور دروازہ خود بخود کھلتا گیا اسی طرح آپ اپنا کام شروع کیجیے اور ان اسباب کو اختیار کیجیے جنپر عادۃً وہب کا ترتب ہوتا ہے جو لوگ واصل ہیں جس معنی کر کہ اصطلاح میں وصول کہا جاتا ہے ان سے پوچھیے کہ وہ کیونکر واصل

ہوئے کیا اپنے اختیار سے واصل ہوئے ہرگز نہیں کیونکہ وصول کو اتفاقاً وہبی مانا گیا ہے
اور جو واصل ہیں انکو تو اسکے وہبی ہونیکا مشاہدہ ہے وہ کبھی اسکو اختیاری نہیں کہہ سکتے
چنانچہ چین نہ آئیگا نماز ہی سے راحت حاصل ہوگی بدون نماز پڑھے دل بےچین رہیگا اور یہ
بات کچھ دین ہی کے کاموں کیساتھ مخصوص نہیں بلکہ دنیا کا بھی کوئی کام بدون مجاہدہ
کے درست نہیں ہوتا دیکھو خوشنویسی ہی ہے اسمیں مبتدی کو کیسی محنت پڑتی ہے کہ ایک
جیم کی نوک پلک درست کرنے میں عرصہ لگتا ہے بہت دیر میں ایک جیم بنتا ہے اس کے
بعد اُستاد کے سامنے لیگئے تو وہ کہتا ہے کہ غلط ہے مگر اسی طرح محنت کرتے کرتے چند روز میں
ایسی مہارت ہوجاتی ہے کہ آنکھ بند کرکے بھی لکھے تو حرف صحیح ہی ہوگا اور ایک منٹ میں پچاس
جیم لکھدیگا عادۃ اللہ یہی ہے کہ محنت کا نتیجہ راحت ہے اور مشقت کا ثمرہ سہولت ہے (اسوقت
دروازہ کی طرف سے ایک بچہ کی آواز رونے کی آئی اور دیر تک آتی رہی حضرت نے فرمایا کہ
اسواسطے میرا جی نہیں چاہتا مستورات میں بیان کرنیکو حالانکہ سب بچوں کو باہر کردیا گیا تھا
مگر پھر بھی ماماؤں میں اتنی سرکشی ہے کہ بچہ کو دور لیجا کر خاموش نہیں کرتی دروازہ ہی پر کھڑی رُلا ۴۰
رہی ہے ۱۲) میں یہ کہہ رہا تھا کہ مشقت کا ثمرہ سہولت ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ان مع العسر
یسرا (کہ مشقت کی ساتھ سہولت ہے) اسکی ایک تفسیر تو مشہور ہے ہی کہ مع بمعنی بعد ہے
اور مطلب یہ ہے کہ عسر کے بعد یسر ہوتا ہے اور یسر سے یسر اُخروی مراد ہے مگر میں کہتا ہوں
کہ مع اپنے معنی پر ہے اور دنیا میں بھی عسر کی ساتھ یسر ہے اور یہ عسر اعمال کا ہے روزانہ
یہ خاصیت ہے کہ جو مشقت پہلے دن تھی وہ اگلے دن نہیں رہتی اور جو اگلے دن ہے وہ
اُسکے بعد نہیں رہتی اس سے معلوم ہوا کہ عسر کے ساتھ ساتھ ہی یسر ہے جو تدریجاً ظہور میں
آتا ہے تو جس عمل کا آپکو شوق نہو اسکے لئے مجاہدہ کرنا چاہیے انشاء اللہ مجاہدہ کے بعد ایک
دن شوق عطا ہوجائیگا جو محض وہبی ہوگا اب جنکو شوق حاصل ہے وہ سمجھ لیں کہ تمکو
شوق از خود نہیں بلکہ حقیقت میں یہ شوق ہے حق تعالیٰ تمکو کشاں کشاں لیجا رہے ہیں
وہ اسپر ناز نکریں کہ ہمکو حج کا شوق ہے یا زکوٰۃ کا شوق ہے یہ سب حق تعالیٰ کا فضل ہے
ورنہ فی نفسہ آپکا بھی وہی حال ہوتا جو بدشوقوں کا حال ہے چنانچہ دیکھ لیا جائے کہ جنکو زکوٰۃ

(باقی آئندہ)

کا شوق ہے انکو زکوۃ یا نفقہ واجبہ دینا تو آسان ہے جو انفاق معین ہے مگر غیر معین انفاق اُن کو آسان نہیں + یہ گران ہوتا ہے زکوۃ دینے کے بعد اور کسی موقع ضرورت پر خرچ کرتے ہوئے انکی جان نکلتی ہے کیوں ؟ محض اسلیئے کہ حق تعالیٰ نے انکو اس کا شوق نہیں دیا داعیہ پیدا نہیں ہوا مگر یہ غنیمت ہے کہ یہ لوگ بھی بخیل ہیں داخل نہیں انکو بخیل نہیں کہسکتے کیونکہ حق واجب کو تو وہ ادا کرتے ہیں اور عورتوں کو جو صوم و حج و زکوۃ کا شوق ہے اسکی ایک طبعی لم بھی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ طبعی لم سب ہی میں ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ اس سے خالی بہت ہی کم ہونگی گو بعضی اللہ کی بندیاں ایسی بھی ہیں جنکو محض محبت حق کی وجہ سے ان عبادات کا شوق ہے لیکن اکثر کی حالت یہ ہے کہ انکو اس طبعی لم کی وجہ سے بھی شوق ہے جسکو میں بیان کرنا چاہتا ہوں اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ ان عبادات کا اگر شوق ہوا بھی تو چنداں کمال نہیں کیونکہ اسمیں حظ نفس بھی فی الجملہ موجود ہے گو وہ حظ جائز ہی ہو مگر خالص عبادت ہونے کی وجہ سے تو تحقق نہوا اور یہ میں اسلیئے کہتا ہوں تاکہ ناز ٹوٹ جائے اور عورتیں اپنے اس شوق پر ناز نکریں کہ ہمکو روزہ اور حج کا شوق ہے کیونکہ شوق وہی معتبر ہے جو محض اللہ کے واسطے ہو نفس کی آمیزش نہو سو حج کا شوق تو اکثر عورتوں کو اسلیئے بھی ہے کہ ایک جگہ پڑے پڑے طبعاً جی اوکتا جاتا ہے اسمیں سفر سے ذرا چلنا پھرنا نصیب ہوتا ہے۔ دوسرے اسمیں امتیاز و تفرد کی شان بھی ہے کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے جسکے کرنیوالے تھوڑے ہیں جس نے ایک دفعہ حج کرلیا وہ پچاس عورتوں میں تنہا حاجن شمار ہوتی ہیں اور اسمیں بھی ایک حظ ہے کہ ہم دوسروں سے ایک صفت میں متمیز ہیں اور زکوۃ کا شوق اول تو عورتوں میں بہت کم ہے اکثر تو زکوۃ دیتی ہی نہیں اور جو دیتی بھی ہیں انکو زکوۃ کا اسلیئے شوق ہے کہ اسمیں بھی حظ نفس ہے کیونکہ دوسرے کو کچھ دینا موجب تعلی ہے۔ دینے والا محسن ہوتا ہے اور لینے والا احسانمند ہوتا ہے اور یہ بھی نفس کیلئے بڑا حظ ہے کہ دس آدمی اسکے احسان سے دبے ہوئے ہیں گو وہ اس احسان کی وجہ سے کوئی اپنی غرض اور اپنا کوئی کام اُن سے نہ لے کیونکہ اس صورت میں تو زکوۃ کا ثواب ہی باطل ہو جائیگا نہیں بلکہ صرف زکوۃ دینے ہی سے دوسرا آدمی اس سے نیچا اور یہ دینے والا اُس سے اونچا ہو جاتا ہے۔ الید العلیا خیر من السفلی اور یہ بھی بڑا حظ ہے دوسرے یہ کہ بعض

دفعہ کسی غریب کی خستہ حالت دیکھکر انسان کا دل خود بھی کڑھتا اور دردمند ہوتا ہے تو اُسکی امداد کرکے اپنا بھی جی خوش ہوتا اور درد کم ہو جاتا ہے یہ بھی ایک حظ ہے گو منہی عنہ نہو اسی لئے بعض بزرگوں نے اپنے مریدوں سے ایسا مجاہدہ کرایا ہے جو محض مجاہدہ ہی مجاہدہ ہو یعنی اُسمیں حظ نفس نہو چنانچہ ایک بزرگ نے اپنے مرید کو ذکر شغل تعلیم کیا مگر عرصہ تک اُسکو کچھ اثر نہوا فتح باب نہوا تو شیخ نے پوچھا کہ میاں کیا تمہارے پاس کچھ دنیا ہے جس سے تمکو محبت ہے کہا حضرت ہاں سَو دینار ہیں جنسے مجھکو محبت ہے فرمایا انکو اپنے پاس سے الگ کردو مرید نے منظور کرلیا شیخ نے پوچھا کہ کسطرح الگ کروگے کہا حضرت کسی غریب کو دیدوں گا فرمایا نہیں بلکہ یوں الگ کرو کہ ایک دینار روزانہ سمندر میں ڈال آیا کرو اب اہل ظاہر اسپر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو اضاعت مال ہوا جو منہی عنہ ہے مگر ان صاحبوں نے اُس منشا کو نہیں سمجھا جسپر مشائخ کی نظر ہے اسی لئے وہ اہل تربیت پر اعتراض کرتے ہیں بات یہ ہے کہ اضاعت مال واقعی منہی عنہ ہے مگر یہاں اضاعت ہی نہیں کیونکہ اضاعت وہ ہے جسمیں کوئی منفعت و مصلحت نہو اور یہاں اصلاح نفس منفعت ہے اصلاح کا کوئی خاص طریق متعین کرنا یہ امر اجتہادی ہی سو اگر کسی مربی نے اسکو اسلئے ترجیح دی ہو کہ اسمیں اصلاح کامل ہے تو کچھ بعید نہیں اور کامل اسلئے سمجھا گیا کہ یہ مجاہدہ محضہ ہے اور انفاق متعارف میں حظ بھی ہے جسمیں مجاہدہ میں کمی ہوگئی اسلئے اسکو ترجیح دیدی مگر دیکھنا یہ ہے کہ اسکی علت کیا ہے علت یہ ہے کہ اسمیں نعمت کی بیقدری ہے ۔ اور اسلئے انھوں نے یہ حکم دیا کہ ایک دینار روزانہ سمندر میں ڈالدیا کرو کہ یہ صورت نفس کو بہت ہی کھلنے والی ہے کیونکہ اسمیں کوئی حظ نہیں پھر وہ بھی ایک دفعہ ڈالنے کو فرماتے تو سہل تھا اور روزانہ ایک دینار کا ڈالدینا تو نفس کو بہت ہی کھل دیگا کہ ہر دن دلپر ایک آرہ سا چلیگا اب مجاہدہ پورا ہونیکے بعد محبت مال سے اُسکا دل بالکل خالی ہو جائیگا بتلائیے اس منشا کے سمجھنے کے بعد اسپر کیا اعتراض ہے۔ غرض عورتوں کو زکوٰۃ کا شوق اسلئے بھی ہے کہ دو چار مسکینوں کے ہاتھ پر پیسے رکھنے سے جی خوش ہوتا ہے اس میں نفس کو حظ حاصل ہوتا ہے اور روزہ کا جو عورتوں کو شوق ہے اسمیں ایک بات تو یہ ہے کہ فطرۃً روزہ انپر آسان ہے کیونکہ انپر رطوبت و برودت کا غلبہ ہے اور روزہ شاق انپر ہوتا ہی

جنمیں رطوبت کم ہے اور حرارت غالب ہے چنانچہ مردوں کی یہی حالت ہے کہ انپر رطوبت کا غلبہ نہیں اور حرارت کا بھی غلبہ ہے اسی لئے انکو روزہ گراں ہے دوسرے یہ ہے کہ کھانا ان کے ہاتھوں سے تیار ہوتا یا کم از کم نگاہ سے تو ہر وقت گذرتا ہے اس سے بھی انکی بھوک پیاس مرجاتی ہے ہمنے ایک مرتبہ زمانہ طالب علمی میں بڑے اہتمام سے گلگلے پکائے تھے مگر تیار ہونے کے بعد جو وہ سامنے آئے تو طبیعت افسردہ ہوگئی اور کچھ زیادہ مزا نہ آیا کیونکہ سارا اہتمام اپنے ہاتھوں سے ہوا تھا اپنے سامنے پکے اور تیار ہوئے تھے تو دیکھ دیکھ کر نیت بھر گئی اسی وجہ سے مردوں کو عموماً تجربہ ہے کہ دعوت کا کھانا اپنے گھر کے کھانے سے لذیذ معلوم ہوتا ہے گو وہاں بجز دال گوشت کے کچھ بھی نہ ملے مگر پھر بھی لذیذ معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ دفعۃً و بغتۃً سامنے آجاتا ہے پہلے سے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ کیا ملے گا اور گھر کے کھانے کی خبر پہلے ہی سے ہوجاتی ہے کہ آج یہ کھانا پکے گا اس علم کی وجہ سے وہ کھانا گو ہیئۃً جدید ہو مگر من کل وجہ جدید نہیں ہوتا غرض اور جسقدر عبادتیں ہیں سب میں کچھ نہ کچھ حظ نفس بھی ہے اسلئے عورتوں کو اُن کا شوق ہے اور نماز میں کچھ حظ نہیں چنانچہ حج میں جو آزادی تھی وہ نماز میں نہیں بلکہ اسکے خلاف یہاں پابندی ہے کہ چاروں طرف سے جکڑ دیئے گئے نہ کسی سے بات کرسکتے ہیں نہ ادہر اُدہر دیکھ سکتے ہیں گو کوئی حسی مشقت تو نہیں ہے جو سبکو نظر آئے جیسے کوئی بوجھ اٹھوایا جاتا یا ایک دو میل چلایا جاتا یہ کچھ نہیں مگر ایسی مشقت ہے جو خود اس شخص کو محسوس ہوتی ہے اور وہ مشقت تقیید کی ہے کیونکہ پابندی اور قید خود گراں ہے مثلاً ایک جگہ ایک پلنگ پر بیٹھا رہنا خود فی نفسہ گراں نہیں اگر آزادی کے ساتھ بیٹھنا ہو چنانچہ بعض دفعہ دن بھر ایک جگہ بیٹھے رہتے ہیں لیکن اگر کوئی آپ سے یہ کہہ جائے کہ آدھ گھنٹہ تک تم میرا اسی جگہ انتظار کرنا یہاں سے جانا نہیں تو اب یہ آدھ گھنٹہ بیٹھنا گراں ہے اور منٹ منٹ بھاری ہوتا ہے کیونکہ آزادی فوت ہوگئی یہ بات نہیں رہی کہ جب چاہیں اُٹھکر چلدیں یہی حال نماز کا ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد سے نماز پوری کرنے تک بندھ گئے اب نہ بول سکتے ہیں نہ چل پھر سکتے ہیں نہ کھا پی سکتے ہیں یہ نفس پر گراں ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے نماز ہی کے متعلق یہ فرمایا ہے انہا لکبیرۃ اور کسی عبادت کے متعلق یہ بات

نہیں فرمائی کیونکہ اور عبادات میں کچھ حظ نفس بھی ہے اور پابندی نہیں اور نماز میں حظ
نفس کچھ نہیں اور پابندی سخت ہے (اور جسکو نماز میں حظ آتا ہے وہ نفس کو مار نیکے بعد
آیا ہے تو اسکو حظ نفس نہیں کہسکتے ۱۲) پھر دوسری گرانی یہ ہے کہ نماز دن میں پانچ دفعہ ہے
اور عبادات میں یہ کثرت نہیں چنانچہ زکوٰۃ سال میں ایک دفعہ فرض ہوتی ہے حج عمر بھر میں
ایک دفعہ فرض ہے اور روزہ گو سال میں تیس دن کا ہے مگر اسمیں وحدت کی شان بھی ہے،
کیونکہ سب روزے متواتر ایک ہی مہینہ میں ہیں اور نماز میں تعدد ایسا ہے جسمیں وحدت کی
شان نہیں کیونکہ سب نمازیں مسلسل ایک وقت میں نہیں ہیں بلکہ فصل کیساتھ علیحدہ
علیحدہ وقت میں ہیں اور بجز فجر و ظہر کے بقیہ نمازوں میں فصل بہت ہی قلیل ہے جسکی وجہ سے
زیادہ وقت نماز ہی کی فکر میں گذرتا ہے ایک نماز پڑھکر آئے اور دوسری کا فکر سوار ہے
گویا اس طرح سارے دن نماز ہی میں رہتے ہیں لحدیث لا یزال احدکم فی الصلوٰۃ
ما انتظر الصلوٰۃ دیوبند میں ایک معقولی طالب علم آئے تھے جو بے نمازی تھے کیونکہ معقولیوں
کے نزدیک مہارت فی المعقول کی شرط ارتکاب معصیت بھی ہے اور معاصی بھی خاص
خاص جنکا بیان اس مجلس میں خلاف تہذیب ہے اسلئے وہ معقولی صاحب نماز نہ پڑھتے تھے
کیونکہ یہ معصیت بھی مہارت فی المعقول کی ایک شرط ہے اور دیوبند کے مدرسہ میں باشاء اللہ
نماز کی بہت پابندی ہے طلبہ خود بھی نماز پڑھتے ہیں اور جو بے نمازی آنکلے ہیں اسکو بھی
کہہ سنکر ساتھ لیجاتے ہیں چنانچہ ان معقولی صاحب کو بھی نماز کیواسطے لیگئے ایک نماز پڑھکر
بیٹھے تھے کہ تھوڑی دیر میں دوسری نماز کی تیاری ہوئی اور انکو بھی لیگئے پھر تیسری نماز
کی تیاری ہوئی پھر چوتھی کی تو وہ معقولی کہنے لگا کہ ہمنے سنا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم پر اول پچاس نمازیں معراج میں فرض ہوئی تھیں پھر آپکی درخواست پر پچاس سے پانچ
رہ گئیں مگر دیوبند کے مدرسہ میں پوری پچاس ہی فرض ہیں کہ یہاں تو نماز کے سوا کچھ کام
ہی نہیں ابھی نماز سے فارغ ہوکر آئے اور چین سے بیٹھنے بھی نہیں کہ پھر نماز اُس سے نمٹ کر آئے
تھے کہ پھر تقاضا ہے، چلو نماز کو یہاں تو ہر وقت نماز ہی نماز ہے، واقعی جسکو نماز کی عادت
نہ ہو اُسکو یہ پانچ وقت کی نماز پچاس وقت کی برابر معلوم ہوتی ہے کیونکہ گو بظاہر

میں پانچ ہیں مگر وحدت اور تسلسل کیساتھ نہیں ہیں بلکہ فصل کیساتھ ہیں اور فصل بھی زیادہ نہیں جسکی وجہ سے سارا دن نماز ہی کی فکر میں گذرتا ہے نمازی آدمی بیفکری کیساتھ کسی کام میں منہمک نہیں ہوسکتا یہانتک کہ بیفکری سے سو بھی نہیں سکتا رات کو بار بار آنکھ کھلتی ہے کہ کہیں صبح کی نماز کا وقت نہ نکل جائے تو سبحان اللہ! وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے لیلۃ الاسراء میں پچاس کی جگہ پانچ نمازیں مقرر فرماکر ارشاد فرمایا تھا ھن خمس وھی خمسون لا یبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید کہ یہ پانچ نمازیں ہیں اور یہ پچاس ہی کی برابر ہیں میرے یہاں بات بدلا نہیں کرتی تو ثواب کے اعتبار سے تو یہ پانچ نمازیں پچاس کے برابر ہیں ہی کیونکہ ہر نیکی دس نیکی کی برابر ہے لیکن ظاہری اثر اور تاثیر کے اعتبار سے بھی یہ پانچ پچاس کے ہی برابر ہیں کیونکہ سارا دن انہی میں مشغول ہوگیا ہے اور اسطرح نمازی ہر وقت گویا نماز ہی میں رہتا ہے اور ان پانچ کا پچاس کے برابر ہونا بے نمازیوں کو محسوس ہوتا ہے جو اول اول نماز شروع کرتے ہیں گو نمازیوں کو احساس نہو اب نمازیوں کو غور کرنا چاہیئے کہ تم سے قوی تو اس سے عاجز ہیں اور تم پانچوں وقت سہولت سے نماز پڑھ لیتے ہو یہ کیا بات ہے یہ تو نہیں کہسکتے کہ تم میں دوسروں سے زیادہ قوت ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ تم کہاں کے قوی ہو بس بات وہی ہے جو پہلے میں نے بیان کی تھی کہ حق تعالیٰ نے تمہارے اندر داعیہ پیدا کردیا ہے اور انمیں وہ داعیہ نہیں ہے تو حقیقت میں تم خود نماز نہیں پڑھتے بلکہ حق تعالیٰ تم سے پڑھواتے ہیں ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں   مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

ایک مصلحت شرعیہ سے تمہارا نام کردیا گیا گو انمیں کچھ واقعیت بھی ہے گو وہ بھی عطا ہی کی ہوئی تھی بس اگر اسکی مثال اس بچہ کی سی نہیں جو لکھنا بالکل نہیں جانتا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر تم کوئی حرف لکھدو تو اس بچہ کی مثال تو ضرور ہے جو لکھنا کچھ کچھ جانتا ہے مگر نہایت بدخط ہے اور آپ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر صحیح اور خوبصورت جیم لکھدیں تو گو اس صورت میں یہ لفظ من وجہ اس کا لکھا ہوا بھی ہے مگر یہ بات کسکی بدولت ہوئی کہ ایسا خوشنما خوبصورت لکھا گیا کہ میر نتیجہ کشش نے بھی اسپر صاد کردیا یہ کسی دوسرے کی بدولت ہے تو آپ اپنے اعمال

کی ایسی ہی مثال سمجھئے بس واقعہ یہ ہے کہ لاجبر ولا قدر ولکن الامر بین بین میں جبر کا قائل نہیں ہوں کہ فرقہ جبریہ کی طرح آپکو جبر کی طرف لیجاؤں اور اختیار کی بالکل نفی کر دوں بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ آپکو اپنے نمازی اور ذاکر شاغل ہونے پر ناز کا حق نہیں کیونکہ ان اعمال کا صدور تنہا آپکی قوت ارادیہ سے نہیں ہوتا بلکہ اسمیں ایک دوسری قوت بھی کام کر رہی ہے جسکی بدولت آپ نمازی بنے ہوئے ہیں یعنی داعیہ اور وہ محض موہوب ہے یہ تو نمازیوں کے متعلق ہے کہ وہ اس امر موہوب پر نظر کرکے اپنے ناز کا علاج کریں اور بے نمازیوں سے یہ شکایت ہے کہ وہ اس داعیہ کی تحصیل کا قصد نہیں کرتے۔ اور اسی داعیہ سے آپکو اس بات پر بھی متنبہ کرتا ہوں کہ آپ بے نمازیوں کو حقیر نہ سمجھیں یہ مطلب نہیں کہ انکو تنبیہ و زجر نہ کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ انکو ذلت کی نگاہ سے نہ دیکھیں زجر و تنبیہ کرو مگر اسکے ساتھ اپنے کو ان سے افضل نہ سمجھو بلکہ محض شفقت کی وجہ سے تنبیہ کرو پس زجر و تنبیہ تو اس بنا پر کرو کہ اپنی قوت ارادیہ سے کام کیوں نہیں لیتے اور اپنے کو ان سے افضل اسلئے نہ سمجھو کہ یہ موہبت ہمارے ساتھ نہ ہوتی تو ہم بھی ایسے ہی ہوتے جیسے یہ ہیں تو دیکھئے زجر و تنبیہ عدم تحقیر کے ساتھ کس سہولت سے جمع ہو گئی یہاں سے ایک شاعر کا قول باطل ہو گیا جو اس قسم کی الجھنوں سے پریشان ہو کر کہتا ہے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ۔۔۔ بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

یہ شاعر باذوق تو ہے مگر محقق نہیں محقق کبھی احکام شرعیہ میں ایسا نہ کہیگا کیونکہ وہ سب اضداد کو جمع کر دیتا ہے یعنی جو ناقصوں کی نظر میں اضداد ہیں ورنہ واقع میں احکام شرعیہ کے اندر اضداد کا جمع ہے ہی نہیں چنانچہ امر بالمعروف اور عدم تحقیر مسلم میں لوگ تضاد کا اعتقاد کرتے ہیں کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم دوسرے شخص کو کسی گناہ پر زجر و تنبیہ بھی کریں اور اسکو حقیر بھی نہ سمجھیں تو میں نے بتلا دیا کہ اسکو زجر و تنبیہ تو اسلئے کرو کہ اس نے اپنی قوت ارادہ و اختیار سے کام کیوں نہیں لیا لیکن حقیر اسلئے مت سمجھو کہ تم جو اس گناہ سے محفوظ ہو محض اپنے ارادہ و اختیار سے محفوظ نہیں ہو بلکہ حق تعالیٰ نے تم میں ایک داعیہ پیدا کر دیا ہے جو کشاں کشاں طاعات کی طرف لیجاتا اور معاصی سے روکتا ہے اور گو یہ داعیہ ارادہ و اختیار

ہی کے استعمال سے عطا ہوا ہے اور اس عاصی کو بھی ارادہ و اختیار کے استعمال سے یہ داعیہ عطا ہو سکتا تھا اگر فی نفسہ تو یہ امر موہوب ہے مکسوب نہیں پھر آپکو اپنی فضیلت اور دوسر کی ذلت کے اعتقاد کا کیا حق ہے خوب سمجھ لو بہرحال میں بے نمازیوں کی شکایت اور ان کے زجر و تنبیہ سے منع نہیں کرتا یہ جائز ہے بلکہ مامور بہ ہے چنانچہ میں اسوقت خود بھی انکی شکایت کر رہا ہوں اور چونکہ مجھے زجر و تنبیہ کا اختیار نہیں ہے اس لئے میں ترغیب کا مضمون بیان کرتا ہوں جس سے سامعین کو نماز کی فضیلت معلوم ہوگی اور فضائل سنکر امید ہے کہ رغبت ہو جاے اب میں آیت کا ترجمہ کرتا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں اقم الصلوٰۃ لذکری حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر بہت سی باتیں ہوئیں انہی میں یہ حکم بھی ہوا اوپر سے ارشاد ہے فلما اتٰھا نودی یا موسیٰ ؁ انی انا ربك فاخلع نعلیك انك بالواد المقدس طوی وانا اخترتك فاستمع لما یوحی انی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی ؁ اول تو انکو نبوت کی خبر دیگئی کہ ہمنے تمکو نبوت کے واسطے منتخب کیا ہے اب کان لگاکر اس بات کو سنو جو تمپر وحی کیجاتی ہے انی انا اللہ لا الٰہ الا انا کہ میں اللہ ہوں معبود ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں اسکے بعد ارشاد ہے فاعبدنی اسمیں فا تفریع کیلئے ہے جو انی انا اللہ پر متفرع ہے کہ جب میں ہی معبود حق ہوں تو اب تم میری عبادت کرو اسکے بعد ارشاد ہے واقم الصلوٰۃ لذکری کہ نماز کو میری یاد کیواسطے قائم کرو یعنی اسکی پابندی کرو تو نماز کی کتنی بڑی شان ہے کہ توحید کے بعد عبادت کا مطلقاً امر ہوا جسمیں نماز بھی داخل تھی مگر اہتمام بالشان کیلئے نماز کو الگ بیان فرمایا شاید کسی کو شبہ ہو کہ بنی اسرائیل پر شاید صرف نماز ہی فرض ہوا اور کوئی عبادت فرض ہی نہو تو یہ شبہ غلط ہے کیونکہ روزہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تھا جیسا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم کی تفسیر میں آدم علیہ السلام پر صوم ایام بیض اور شریعت موسویہ میں صوم عاشورا شریعت عیسویہ میں رمضان کے فرض ہونے کو مفسرین نے ذکر کیا ہے اور زکوٰۃ بھی فرض تھی جیسا سورہ مائدہ میں ہے لئن اقمتم الصلوٰۃ واتیتم الزکوٰۃ کا خطاب بنی اسرائیل کو مذکور ہے پھر بھی نماز کو سب سے مقدم کیا بلکہ اس موقعہ پر نماز کے سوا کسی اور عبادت کا امر ہی نہیں ہوا بلکہ اسکے بعد معاد کا ذکر شروع ہو گیا ان الساعۃ اٰتیۃ

اکاد اخفیہا الآیات تو ایسے وقت میں جبکہ حق تعالیٰ کی تجلی ہو رہی تھی جسکی حقیقت ہم اسکے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک نور تھا مگر تیز ایسا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اُسکو نار سمجھے پھر اُسوقت حق تعالیٰ کی طرف سے کلام بھی ہو رہا تھا اسکی حقیقت بھی کوئی نہیں بیان کر سکتا

تو ندیدی گہے سلیماں را ۔ چہ شناسی زبان مرغاں را ؎

بعض کہتے ہیں کہ کلام لفظی بواسطہ تھا اور بعض کہتے ہیں کلام لفظی بلا واسطہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ کلام نفسی ہی تھا اور اسلم یہ ہے کہ اسمیں سکوت کیا جائے اور اگر کوئی سوال کرے تو یہ جواب دیدیا جائے ؎

بلبل چہ گفت وگل چہ شنید و صبا چہ کرد ۔ اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں

بہر حال خواہ حقیقت کچھ ہی ہو مگر موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر حق تعالیٰ ہمکلام ہوئے تھے اور اُسوقت ایک خاص تجلی بھی ہو رہی تھی اُسوقت میں غور کر لیجئے کہ حق تعالیٰ نے جن باتوں کا موسیٰ علیہ السلام کو امر کیا ہوگا وہ باتیں کسدرجہ کی ہونگی ہر شخص جانتا ہے کہ پہلی ملاقات میں محبوب جن باتوں کا حکم کرتا ہے وہ نہایت عظیم الشان ہوتی ہیں خصوصاً جبکہ ملاقات بھی ۸
اس شان خاص سے ہو کہ تجلی بھی ہو اور ہمکلامی بھی ہو تو ایسے خاص وقت میں حق تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نماز کا حکم فرمایا ہے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کیلئے معراج اور خاص قرب کا وقت تھا پھر آپ اپنے حضور کی معراج کو دیکھ لیجئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج میں خاص قرب میں کس عبادت کا حکم ہوا نصوص سے صراحۃً معلوم ہے کہ معراج میں نماز ہی کا حکم ہوا ہے نہ زکوٰۃ اُسوقت فرض ہوئی نہ روزہ نہ حج بلکہ یہ سب عبادتیں مدینہ میں فرض ہوئیں اور نماز آسمان پر فرض ہوئی بلکہ آسمان سے بھی اوپر ۔ اس سے بھی نماز کا خاص شرف واضح ہے تو اسمیں غور کر کے نماز کا خاص اہتمام کرنا چاہیئے ۔

اب میں اقم الصلوٰۃ لذکری میں ایک نکتہ بیان کرتا ہوں جس سے نماز کی فضیلت دیگر عبادات پر بہت زیادہ ثابت ہوتی ہے اور یہ محض نکتہ نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے وہ یہ اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ جو ثمرہ کیلئے مقصود ہوں اور ثمرہ عمل کا مغائر ہو دوسرے وہ جو ثمرہ کیلئے مقصود نہیں بلکہ لذاتہ مقصود ہے اور جو ثمرہ اسکے ساتھ مذکور ہے وہ اس کا مغائر نہیں بلکہ

عین ہے مثلاً ہم کسی حاکم سے ملنے جائیں اور وہ ہمکو کوئی کام بتلائے تو بعض کام تو ایسے ہوتے ہیں جو خود مقصود نہیں بلکہ اُن کا ثمرہ مقصود ہے مثلاً حاکم یہ کہے کہ تم انٹرنس پاس کرلو تو ہم تمکو فلاں عہدہ دیدینگے یہاں انٹرنس پاس کرنا خود مقصود نہیں بلکہ عہدہ مقصود ہے جو اس کا ثمرہ ہے اور یہ ثمرہ عمل کا غیر ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ وہ یوں کہے تم ہمارے پاس ہر روز آیا کرو یہاں یہ عمل خود مقصود ہے کیونکہ حاکم کے دربار میں حاضری نصیب ہوجانا یہ خود بہت بڑی چیز ہے گو اسپر ثمرات بھی مرتب ہوتے ہیں مگر اُن ثمرات کیساتھ خود حاضری دربار بھی بڑا مقصود ہے چنانچہ بہت لوگ اس حاضری ہی کیلئے بڑی بڑی کوششیں کرتے ہیں گو اسکے حصول کے بعد کوئی ثمرہ بھی حاصل نہو۔ اب میں نماز کے متعلق دعوی کرتا ہوں کہ نماز میں جتنے اعمال ہیں اور نماز اُن اعمال سے مرکب ہے وہ سب اجزاء ایسے ہیں کہ اعمال تو ہیں ہی مگر ثمرات بھی ہیں یعنی ان اعمال کیلئے کوئی ایسا ثمرہ نہیں جسکے اعتبار سے ان اعمال کو مقصود بالعرض اور اس ثمرہ کو مقصود بالذات کہا جائے بلکہ غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ
اجزاء صلوٰۃ خود مقصود بالذات ہیں جسکو میں ابھی ثابت کئے دیتا ہوں اور جب اجزاء کا یہ ۹
حال ہے تو صلوٰۃ کا حال بھی اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ بھی مقصود بالذات ہے کیونکہ اجزاء میں اور مجموعہ میں محض اعتباری تغایر ہے اور تغایر اعتباری محض فرض ہی فرض ہے امور واقعیہ میں اسکا اعتبار فضول ہے اور کسی عمل کا مقصود بالذات ہونا اور مقصود بالعرض نہونا یہ اسکی بڑی فضیلت اور اعلیٰ درجہ کا کمال ہے۔ اب سنئے کہ نماز کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی محبوب عاشق سے کہے کہ ہمکو دیکھو اور ہمسے باتیں کرو ہر چند کہ دیکھنا اور باتیں کرنا ایک عمل ہے مگر یہ ایسا عمل ہے کہ خود ہی عمل ہے اور خود ہی ثمرہ مقصودہ ہے اس سے کوئی اور ثمرہ مقصود نہیں عاشق کے دل سے پوچھو وہ اس عمل سے کسی غیر کو مقصود نہ سمجھے گا کیونکہ وہ تو عمر بھر اسی کو ترستا تھا کہ کسی طرح ایک نگاہ محبوب کو دیکھ لوں اور اس سے ایک دو بات کرلوں تو اب جبکہ محبوب نے اسکو اپنے دیکھنے اور اپنے سے ہمکلام ہونیکا امر کیا ہے یقیناً اسکو اس رویت وکلام سے کسی اور ثمرہ کی طلب نہو گی بلکہ اسی کو مطلوب سمجھیگا رہا یہ احتمال کہ صاحب اصل مقصود تو لذت ہے جو رویت وکلام محبوب سے حاصل ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے

کہ احکام طبعیہ میں لذت رویت وکلام کا غیر نہیں بلکہ عین ہے کیونکہ وہ انکی ساتھ ساتھ معًا حاصل ہوتی ہے دونوں میں تقدم وتاخر زمانی نہیں اور احکام طبعیہ میں تقدم وتاخر زمانی ہی سے تغایر ہوا کرتا ہے نہ کہ تقدم وتاخر ذاتی سے جو چیزیں زمانًا ساتھ ساتھ ہوں گو ذاتًا ان میں ایک مقدم ایک مؤخر ہو عرفًا انکو طبعًا متحد ہی سمجھا جاتا ہے تو ہر چند کہ نظر سے لذت ہوگی مگر عاشق کے نزدیک وہ نظر کا غیر نہیں بلکہ اسکو تو نظر من حیث ہو ہو ہی مقصود ہوگی یہی وجہ ہے کہ عاشق کو تمنائے دیدار و آرزوئے لقار کیساتھ لذت کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا غرض نماز ایسا ہی عمل ہے کہ عمل بھی ہے اور ثمرہ بھی ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز کسی ثمرہ کی بھی اعتبار سے مقصود بالعرض نہو بلکہ دعوی یہ ہے کہ نماز من کل الوجوہ مقصود بالعرض نہیں بلکہ اسکے اندر بھی مقصودیت بالذات کا ایک درجہ موجود ہے پس نماز سے رضائے حق اور دخول جنت کا مقصود ہونا اور اس ثمرہ کے اعتبار سے اس کا مقصود بالعرض ہونا میرے دعوی کے مناقض نہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے کھانیکا اخیر مقصود جزو بدن ہونا ہے مگر مقصود عاجل لذت ہے جسکی وجہ سے یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ کھانا اچھا پکا ہوا ہو مرچ بھی سرخ ہو دسترخوان بھی اجلا ہو روٹی بھی صاف وعمدہ ہو جلی ہوئی اور سیاہ نہو تاکہ کھا کر لذت آوے یہ اہتمام بلیغ بتلاتا ہے کہ لذت بھی خود مقصود ہے ورنہ بدل ما یتحلل تو ہر طرح کی غذا ہو سکتی ہے اسطرح نماز کا ثمرۂ اخیر گو حصول رضا اور دخول جنت ہے مگر اجزاء صلوٰۃ خود بھی مقصود بالذات ہیں۔ اب انکی مقصودیت کو سنیئے کہ نماز کی حقیقت کیا ہے نماز قیام قعود رکوع وسجود وقرات سے مرکب ہے اور ان ارکان کے ساتھ تسبیح وتقدیس وتکبیر وذکر بھی لگا ہوا ہے یہ نماز کے اجزاء ہیں اب بتلائیے کہ اگر نماز فرض نہوتی تو جو چیزیں اب نماز کے اندر ہیں کیا آپ انکو نہ ڈھونڈتے؟ یقینًا آپ خود ان کو ڈھونڈھتے اور ان کی طلب وتلاش میں عمر ختم کر دیتے کیونکہ ہر عاشق کو اسکی تمنا ہوتی ہے کہ محبوب کے سامنے اپنا عجز ونیاز ظاہر کرے اور اسکی تعریف وثنا میں زبان کو تر کرے اور اسکی یاد سے دلکو تسلی دے تو کیا آپکو حق تعالی سے محبت نہیں؟ کوئی شخص اس کا اقرار نہیں کر سکتا کیونکہ اول تو حق تعالی سے انسان کو فطری محبت ہے اور ہونا ہی چاہیئے کیونکہ حق تعالی کے اندر صفات کاملہ ایسی ہیں جنکی وجہ سے محبت ہونا ہی چاہیئے

کیونکہ استقرار سے اسباب محبت تین صفتیں ہیں جمال و کمال و نوال (یعنی عطا و سخا) اور محبت کسی صفت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے ذات سے محبت نہیں ہوا کرتی الا نادرا کسی کو تو حسن و جمال کی وجہ سے کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو بتلایئے حق تعالیٰ سے بڑھکر کون حسین و جمیل ہے کوئی بھی نہیں کسی کو کسی کے ساتھ کمال کی وجہ سے محبت ہے جیسے استاد کی ساتھ شاگرد کو اور منصف عادل بادشاہ کیساتھ ہر شخص کو محبت ہوتی ہے گو وہ اسکی رعایا بھی نہو یا جیسے سخی بادشاہ سے ہر ایک کو محبت ہوتی ہے گو اسکو ابھی تک کچھ بھی نہ ملا ہو میرے ایک دوست کہتے تھے کہ مدینہ منورہ میں ایک عالم بہت عسرت میں ہیں اور حیدرآباد سے انکی کوئی تنخواہ بھی نہیں مگر ریاست حیدرآباد کیلئے بہت دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس ریاست سے مسلمانوں کو بہت فیض ہے اب کہیئے ان کو نواب حیدرآباد سے کیوں محبت ہے محض صفت سخاوت کی وجہ سے اور کبھی نوال و عطا کے سبب محبت ہوتی ہے تو حق تعالیٰ سے بڑھکر کون صاحب نوال و کمال ہوگا کہ وہ عاصی و مطیع سب کو روزی دیتے ہیں غرض جو اسباب محبت کے ہیں انمیں حق تعالیٰ سب سے اکمل ہیں بلکہ اگر نظر کو غائر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان اوصاف ثلثہ کی وجہ سے آپکو جس سے بھی محبت ہو وہ حقیقت میں حق تعالیٰ ہی کی محبت ہے دیکھیئے اگر دیوار پر آفتاب کی روشنی پڑ رہی ہو اور کوئی شخص اسکو دیکھکر دھوپ پر عاشق ہو جائے تو حقیقت میں آفتاب ہی کا عشق ہے کیونکہ صفت کا عشق موصوف کا عشق ہے اسی طرح جس شخص کو کسی آدمی کے ساتھ اسکے جمال یا کمال و نوال کی وجہ سے محبت ہو وہ درحقیقت حق تعالیٰ سے محبت ہے کیونکہ یہ صفات اسمیں اپنے آپ پیدا نہیں ہو گئے بلکہ جس نے اسکی ذات کو پیدا کیا ہے اسی نے یہ صفات اسکے اندر پیدا کیے ہیں تو نقش کی محبت دراصل نقاش کی ساتھ محبت ہے کیونکہ نقش خود تو نہیں بنگیا کسی نے اسکو بنایا ہے پس کسی عالم سے محبت ہونا حق جل و علا سے محبت ہے ایسے ہی کسی محسن سے محبت ہونا حق تعالیٰ سے محبت ہے کیونکہ جو صفات ان میں تم دیکھ رہے ہو وہ حق تعالیٰ کی صفات کا ظل ہے اسی نظر کو عمیق کرکے اگر دل میں قائم کر لیا جائے تو حق تعالیٰ سے بہت جلد بلا واسطہ محبت ہو جائے گی جسکی صورت یہ ہے کہ آپ ہر چیز کو دیکھکر یہ سوچا کریں کہ جس نے ایسی ایسی چیزیں حسین و باکمال بنائی

؎ چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگار ہا

ہیں وہ خود کیسا ہوگا بہر حال یہ بات تو میں نے تبرعاً بیان کردی ورنہ اصل یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ سے طبعی محبت ہے مگر اسکو اپنی محبت محسوس نہیں اور احساس کچھ مشکل بھی نہیں میں نے جو بات ابھی بتلائی ہے اس کا مراقبہ کرو بہت جلد اس محبت کا احساس ہو جائیگا اور جب اس کا احساس ہوگا تو آپ محب ہوں گے اور حق تعالیٰ محبوب ہو گئے اب بتلائیے کہ محبت کا یہ تقاضا ہوتا ہے یا نہیں کہ میں محبوب کا نام لوں محبوب سے باتیں کروں محبوب کے سامنے کھڑا ہوں اسکے سامنے اپنا عجز و نیاز ظاہر کروں حضرت محبت وہ چیز ہے جو کسی حال میں محبوب کا نام لئے بغیر چین سے نہیں بیٹھنے دیتی مجنون کو لیلیٰ سے محبت تھی تو یہ حال تھا کہ کبھی کبھی جنگل بیٹھا بیٹھا ریت میں لیلیٰ کا نام لکھا کرتا تھا اور اسی سے دلکو تسلی دیا کرتا تھا مولانا فرماتے ہیں

دید مجنوں را یکے صحرا نورد — در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتان قلم — می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں — می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم — خاطر خود را تسلی می کنم

نیز محبت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ عاشق دوسروں کی زبان سے بھی اس کا نام سنتا اور تذکرہ سننا چاہتا ہے ابو نواس کہتا ہے

الا فاسقنی خمرا و قل لی ھی الخمر — ولا تسقنی سرا متی امکن الجھر

اسکو شراب سے محبت تھی تو کہتا ہے کہ شراب پلاتا جا اور یہ بھی کہتا جا کہ یہ شراب ہے شراب ہے کیونکہ محبوب کا نام سننے سے بھی لذت آتی ہے اگر سننے میں لطف نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی سے کیوں فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھو میں سننا چاہتا ہوں اور وہ صحابی فرماتے ہیں اعلیک اقرأ و علیک انزل یعنی آپکو سننے کی کیا ضرورت ہے آپ پر تو قرآن نازل ہی ہوا ہے مگر آپ فرماتے ہیں کہ نہیں سننے کو جی چاہتا ہے کیونکہ خود پڑھنے میں توجہ منقسم ہوتی ہے اپنی قرأت کیطرف بھی اور سننے میں ہمہ تن ادھر ہی توجہ ہوتی ہے عشاق غور کرکے دیکھ لیں کہ جیسا خود اپنی زبان سے انکو محبوب کا تذکرہ پسند ہے اسی طرح دوسرے کی زبان سے بھی تذکرہ سننے کو جی چاہا کرتا ہے اور ایسا جی چاہتا ہے کہ اسکے ضمن میں کسی

دوسرے کا تذکرہ ٹھونسد یا جائے تو سخت ناگوار ہوتا ہے اسپر ایک حکایت یاد آئی مولانا مظفر حسین صاحب سے ایک رئیس نے کہا کہ حضرت حدیث میں آتا ہے لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (متفق علیہ) یعنی کوئی شخص اسوقت تک مومن ومسلمان نہوگا جبتک کہ اپنے والد اور اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ میری ساتھ محبت نہو اور میں دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنے باپ کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت ہی تو کیا میں مؤمن نہیں مولانا نے اسوقت کچھ جواب نہیں دیا دوسری باتوں میں لگ گئے اور باتوں باتوں میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ شروع کیا اور آپکے کمالات بیان کرنا شروع کئے وہ رئیس نہایت شوق سے حضور کا تذکرہ سنتے رہے جب مولانا نے دیکھا کہ انکو بہت لطف آرہا ہے تو درمیان ہی میں حضور کا تذکرہ چھوڑ کر فرمانے لگے کہ اچھا اسکو تو رہنے دیجئے اب آپکے والد صاحب کے کمالات بیان کرتا ہوں انمیں بھی بڑے بڑے کمالات تھے بس وہ رئیس یہ سنکر بے چین ہو گئے اور کہا حضرت آپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں یہ والد صاحب کا قصہ کہاں سے ٹھونسدیا توبہ توبہ کیا ان کے کمالات بھی کوئی چیز ہیں جو حضور کے کمالات کے ساتھ بیان کئے جائیں مولانا اس سے میرا دل بہت دکھا اس کو چھوڑیئے اور حضور ہی کا تذکرہ کیجئے مولانا نے فرمایا کیوں صاحب اگر آپکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے والد کے ساتھ محبت ہے تو حضور کے تذکرہ میں ان کا تذکرہ ناگوار کیوں ہوا اور اس سے دل کیوں دکھا بس شکر کیجئے کہ آپکو حضور ہی کیساتھ زیادہ محبت ہی جسکا احساس مقابلہ کے وقت ہوتا ہے اب تو ان رئیس کی آنکھیں کھلگئیں اور مولانا کو بہت دعائیں دیں۔

واقعی عارفین قیل وقال سے جواب نہیں دیا کرتے وہ عملی جواب دیا کرتے ہیں جس سے مخاطب کی تسلی ہوجاتی ہے اگر مولانا دلائل سے ان رئیس کا اطمینان کرنا چاہتے تو وہ اطمینان ہرگز حاصل نہوتا جو اس عملی جواب سے ہوا سو بحمد اللہ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جسکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حق تعالیٰ سے محبت نہو محبت سبکو ہے اور جان ومال واہل وعیال سے بھی زیادہ ہے کوئی مسلمان اس سے خالی نہیں مگر وجود محرک کیوقت تحریک ہوتی ہے غور کرلیا جائے کہ اگر ایک مجلس میں کسی مسلمان کے باپ کو گالی دیجائے اور اسی مجلس میں کوئی شخص نعوذ باللہ حضور

کی شان میں گستاخی کرے تو دلکو ٹٹول کر دیکھو کہ کسپر زیادہ غصہ آئے گا یقیناً جس نے حضور کی شان میں کچھ کہا ہے اُسپر غصہ زیادہ آئے گا بہرحال عاشق کا دل اسکے لئے بیچین ہوتا ہے کہ محبوب کا نام لے اُس کا تذکرہ سنے اُس سے باتیں کرے یہ سب باتیں نماز میں موجود ہیں ہاں صرف ایک کسر ہے کہ دیدار نہیں تو اسمیں حضرت حق کیطرف سے کوئی مانع نہیں وہ تو ہر وقت متجلی ہیں مستور نہیں ہیں بلکہ مانع عاشق کی طرف سے ہے کہ اسکی آنکھ پر پردہ پڑا ہوا ہے ۵

شد ہفت پردہ چشمم این ہفت پردہ چشم — بے پردہ ورنہ ہے چوں آفتاب دارم

اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لن ترانی فرمایا گیا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے اگر مانع ادہر سے ہوتا تو لن اُری فرماتے اور اگر اُدہر سے مانع ہوتا تو معراج میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اور جنت میں ہمکو کیسے رُویت ہوگی کیونکہ ذات حق میں تو تغیر نہیں ہوسکتا جو یہ احتمال ہو کہ پہلے ذات میں مانع تھا اب نہیں رہا بلکہ ہم میں ہی تغیر ہو جائیگا کہ اسوقت رویت کے متحمل نہیں ہیں پھر متحمل ہو جائیں گے کیونکہ ہم متغیر ہیں اسی طرح حدیث میں جو آیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ مجھ میں اور حق تعالیٰ میں ستر ہزار حجاب حائل ہیں وہ مانع بھی ذات میں نہیں جبرئیل علیہ السلام ہی کے اعتبار سے مانع ہے اور ان حجابات میں حکمت بھی ہے جو حدیث آگے آتی ہے بلکہ بقاء عالم کیلئے اُن کا ہونا ضروری ہے ورنہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ اگر حق تعالیٰ اُن حجابات کو رفع کردیں تو لاحرقت سبحات وجہہ ما انتہی الیہ بصرہ تمام عالم جل بھنکر فنا ہو جاتا اس سے بھی ہمارا ہی نقص ثابت ہوا کہ ہم اُن انوار کے متحمل نہیں اگر وہ بے حجاب ہو جائیں تو نیست و نابود ہو جائیں مگر جنت میں ہماری یہ حالت نہ رہے گی وہاں استعداد و تحمل پیدا ہو جائیگی تو اسوقت بلا واسطہ رویت ہوگی اور سب حجابات مرتفع ہو جائیں گے اور انکے رفع سے ہم ہلاک نہونگے البتہ ادراک کنہ کا اسوقت بھی نہ ہوگا اور اسی کو فرمایا ہے لا یبقی علی وجہہ الا رداء الکبریاء غرض اسوقت ہم ان حجب کے سبب گو حق تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتے مگر قاعدہ یہ ہے کہ جس محبوب کی ذات کو عاشق نہ دیکھ سکے وہاں تعلقات قرب ہی سے دل کو تسلی دیتا ہے۔ تو نماز میں گو رویت نہیں مگر کیا قرب کے تعلقات اسمیں تھوڑے ہیں چنانچہ آپ حق تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اُن کا نام لیتے ہیں اُنکی تعظیم و تقدیس کرتے ہیں تو کیا

وصال کامل نہ ہوسکنے کی صورت میں عاشق کو یہ باتیں مطلوب نہیں ہوتیں غور کیجے اگر نام لینے سے بھی ممانعت ہوتی تو کیا حال ہوتا دیوبند میں ایک شخص کسی طالب علم پر عاشق تھا اور اُس کا نام لیکر بار بار پکار رہا تھا اُس طالبعلم نے عاشق کے ایک دھول مارا اور کہا خبردار جو آج سے تو نے میرا نام لیا غور کیجئے جب عاشق کو نام لینے سے بھی روکدیا جائے تو اُس کے دل پر کیا حالت گذرے گی پھر اسکے بعد نماز میں حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ ہمکلامی کی اجازت دیدی ہے کہ ہماری ساتھ بات چیت کرو یہ کتنا بڑا شرف عطا ہوا حدیث میں ہے کہ جب بندہ الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں حمدنی عبدی پھر الرحمن الرحیم مالک یوم الدین کہتا ہے تو فرماتے ہیں مجدنی عبدی کہ اب میرا بندہ میری تعریف کررہا ہے اب میری بزرگی بیان کررہا ہے یہ آپ کے کلام ہی کا تو جواب ہے اور جواب بھی کیسے مزے کا کہ بار بار آپکو اپنا بندہ فرماتے ہیں اس کا لطف عشاق سے پوچھو ایک عارف فرماتے ہیں ؎

اگر یک بار گوید بندۂ من ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ز فوق عرش گذرد خندۂ من

(وہ اگر کہدے مجھے اپنا غلام ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ سب سے پیارا نام ہو میرا یہی ۱۲)

شاید آپ کہیں کہ اس جواب کو ہم تو نہیں سنتے تو سمجھ لیجئے کہ اسوقت آپ کے مناسب یہی ہے کہ کانوں سے آپ جواب کو نہ سنیں لیکن جب مخبر صادق خبر دے رہے ہیں کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں تو پھر اس جواب میں شبہ کی کیا گنجایش ہے دیکھئے اگر آپ کسی محبوب کی بس پردہ تعریف کریں اور بعد میں کوئی شخص پردہ کے اندر سے آکر تمسے کہدے کہ محبوب تمہاری باتوں کو سنکر بہت خوش ہورہا تھا اور چپکے چپکے کہ رہا تھا کہ واقعی یہ میرا عاشق ہے تو بتلائیے اس خبر سنکر آپکا کیا حال ہوگا یقیناً عاشق کو وجد آجائیگا اور بار بار پوچھے گا کہ ہاں کیا کہا تھا تو کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس ادنی مخبر کے قول سے بھی کم ہوگیا جو آپکو اسپر وجد نہیں آتا بس یقین رکھئے کہ حق تعالیٰ یقیناً آپ کی بات کا جواب دیتے ہیں گو آپ کے کان نہ سنیں لیکن ذرا مجاہدہ کرکے دیکھو تو دل ضرور سنے گا محبوبوں کی باتیں یونہی ہوا کرتی ہیں وہ عشاق کی طرح ڈھول نہیں بجایا کرتے مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق معشوقان نہان ست وستیر عشق عاشق باد و صد طبل ونفیر

میاں غنیمت ہے اگر کھلم کھلا اُن کے جواب کو نہیں سنا تو یہ بھی بہت ہے کہ اُن کے جواب دینے کی خبر تو سن لی ؎

مرا از زلف تو موئے بسند ست ہوس را رہ مدہ بوئے بسند ست

یہ بوئے زلف ہی تو ہے کہ حدیث سے حضرت حق کے جواب کی خبر پہونچ گئی۔ اگر عشق کے ساتھ عاشق میں نیازمندی بھی ہو تو اُسکو ان باتوں کی قدر ہو گی یہ حوصلہ سے زیادہ ہوس ہے کہ آپ علی الاعلان جواب سننے کے درپے ہوں ؎

آرزو مے خواہ لیک اندازہ خواہ بر نتابد کوہ را یک برگ کاہ

ایاز قدر خود بشناس بلکہ تم ایاز بھی نہ ہو سراپا نیاز بنجاؤ غرض یہ تعلقات قرب بھی ایک گونہ مشاہدہ ہی ہو گو بواسطہ سہی۔ سو اگر مشاہدہ بلا واسطہ نہیں ہے تو مشاہدہ بواسطہ ہی کو غنیمت سمجھو۔ ایک مشاہدہ بواسطہ یہ بھی ہے کہ تمام مخلوق مرآۃ حق ہے آپ مصنوعات باری میں نظر کر کے یہ سوچیئے ؎ چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگارہا۔ اس سے آپکو ۱۶
صفات کمالیہ حق کا مشاہدہ ہو گا یہ تو مشاہدہ عامہ ہے اور نماز میں اس سے بھی بڑھکر مشاہدہ ہے وہاں یہ دیکھو کہ قلب تجلی گاہ حق ہے اسوقت ذوقاً تمکو حق تعالیٰ رأی العین معلوم ہونگے اہل ذوق اسکو جانتے ہیں بس دنیا میں تو اتنا ہی مشاہدہ کافی ہے یہاں اس سے زیادہ ہوس نکرو کہ تمھارے حوصلہ سے باہر ہے اس حوصلہ سے آگے تمنا کی مجھے حضرت حاجی صاحب کی ایک بات یاد آئی کہ بعض لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کی تمنا آپ کے سامنے ظاہر کی تو فرمایا کہ میاں تمھارا بڑا حوصلہ ہے جو حضور کے دیکھنے کی تمنا ہے ہم تو اپنے کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ گنبد خضرا ہی کی طرف نظر کر لیں یہ نیازمندی کا غلبہ ہے اور عاشق کو نیازمند ہی ہونا چاہیئے اسی کو ایک عاشق اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

بخدا کہ رشکم آید زدو چشم روشن خود کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روی

ہماری نگاہ اور محبوب کے چہرہ پر پڑے بڑی حیرت ہے کہاں ہماری ناپاک نگاہ اور کہاں

وہ پاک چہرہ اسی کو بوعلی قلندر فرماتے ہیں ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

اپنی آنکھ اور کان سے بھی غیرت آتی ہے آخر یہ کیا بات ہے۔ وہی نیازمندی۔ جب نیاز کا غلبہ
ہوتا ہے تو محبوب کو دیکھنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی یہ استطرادی مضمون تھا مقصود یہ ہے کہ
نماز میں گو دیدار تو نہیں ہے مگر دیدار کے قریب ہی مشاہدہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے اقرب ما یکون
العبد وھو ساجد فی الصلوٰۃ (اوکما قال) کہ بندہ کو سب سے زیادہ قرب نماز میں بحالت
سجدہ ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے واسجد واقترب کہ سجدہ کرو اور ہم سے قریب
ہو جاؤ اگر انسان میں موانع قرب یعنی معاصی و غفلت وغیرہ کم ہوں تو اس قرب کا بخوبی مشاہدہ
ہوتا ہے جتنے موانع کم ہوں گے اسی قدر مشاہدہ قرب زیادہ ہوگا اور اگر نماز میں خاص مشاہدہ
نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص رنج کے وقت نماز کا حکم نہ ہوتا واقعہ یہ ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے اس قول سے سخت رنج پہونچا تھا ان اللہ استلقی
علی العرش فی یوم السبت للراحۃ (نعوذ باللہ منہا) کہ اللہ تعالیٰ چھ دن میں آسمان و زمین پیدا ۱۷
کر کے ساتویں دن یعنی سنیچر کو عرش پر لیٹ گئے تاکہ تھکن دور ہو اور آرام ملے نعوذ باللہ نعوذ باللہ
اور اسی یہود کے قول کے رد کیلئے یہ آیت نازل ہوئی ولقد خلقنا السموات والارض وما
بینھما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب فاصبر علی ما یقولون۔ ہم نے بیشک
آسمان زمین کو اور ان کے درمیانی اشیاء کو چھ دن میں پیدا کیا مگر ہم کو کچھ تھکن ذرا بھی نہیں
ہوئی (کیونکہ یہ تو تاثر ہے جو ممکن کی شان سے ہے واجب کو تاثر نہیں ہوا کرتا) پس آپ ان
(یہودیوں) کی باتوں پر صبر کیجئے (زیادہ رنج نہ کیجئے) اسکے بعد یہ فرمایا وسبح بحمد ربک قبل
طلوع الشمس وقبل الغروب جس میں نماز کا حکم ہے اب دیکھنا چاہئے کہ اسکو تسلی میں کیا
دخل ہے کیونکہ یہ قرآن ہے جسکا لفظ لفظ مربوط ہے کوئی بات بے ربط نہیں تو فاصبر علی ما
یقولون کے بعد تسبیح یعنی صلوٰۃ کا امر یہ بتلاتا ہے کہ صلوٰۃ معین صبر ہے اور یہ ایسی اعانت ہے
جیسے عاشق کو کسی دشمن کی گستاخی سے جو اس نے محبوب کی شان میں کی ہو رنج ہوا ہو اور محبوب
یہ کہے کہ تم ان باتوں سے رنج نہ کرو آؤ تم ہم سے باتیں کرو یہودوں کی باتوں کو چھوڑو غور کیجئے محبوب

کی اس بات سے عاشق کو کسقدر تسلی ہوگی اسی طرح حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ انکی بیہودہ باتوں سے رنج نہ کیجئے آپ نماز میں ہمسے باتیں کیجئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج کا اندازہ دوسری آیت سے ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں قد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون فانھم لا یکذبونک ولکن الظلمین بایات اللہ یجحدون ۰ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپکو ان کافروں کی باتوں سے رنج ہوتا ہے۔ آگے مشہور تفسیر تو یہ ہے اور میں نے بھی بیان القرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ فانھم لا یکذبونک علت ہے ایک جملہ محذوفہ کی تقدیر یوں ہے فلا تحزن وکل امرھم الی اللہ فانھم لا یکذبونک الخ یعنی آپ غم نہ کیجئے اور انکا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے کیونکہ یہ لوگ آپکو تو نہیں جھٹلاتے (کیونکہ آپکو تو محمد امین کہتے اور صادق مانتے تھے) بلکہ یہ ظالم تو خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ (سو آپ کس لئے رنج کرتے ہیں وہ آپکو تو کچھ نہیں کہتے ہماری آیتوں سے گستاخی کرتے ہیں سو ہم خود نمٹ لیں گے) مگر اب بار مجھے ذوقاً دوسری تفسیر سمجھ میں آئی تھی جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان عشق مع اللہ کے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس مشہور سے یہ ایہام ہوتا ہے کہ حضور کو آیات الٰہیہ کی تکذیب سے رنج نہ ہونا چاہئے بلکہ اپنی ذات کے ساتھ جب کوئی خلاف بات ہو اسوقت رنج ہونا چاہیے حالانکہ آپ کے عشق و محبت کا مقتضا یہ ہے کہ آپکو کفار چاہے کتنا ہی کہہ لیتے اس سے آپکو زیادہ رنج نہ ہوتا آپکو تو بڑا رنج اسی کا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کی ساتھ گستاخی کرتے اور آیات الٰہیہ کی تکذیب کرتے تھے۔ پس خاص اس اعتبار سے اسکی تفسیر قریب یہ ہو سکتی ہے کہ فانھم لا یکذبونک علت ہے قد یحزنک الذی یقولون کی اور ترجمہ یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ آپکو کفار کی باتوں سے بہت رنج ہوتا ہے کیوں اسلئے کہ وہ آپکی تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اگر آپ ہی کی شان میں گستاخی کرتے ہیں تو آپ کو زیادہ غم نہ ہوتا مگر آپکو تکذیب آیات الٰہیہ کا تحمل نہیں ہو سکتا اس صورت میں حذف و تقدیر کی بھی ضرورت نہیں اور یہ تفسیر آپکی شان عشق کے بھی موافق ہے اور اس حدیث کی بھی موافق ہے کان لا ینتقم لنفسہ فی شیئ الا ان تنتھک حرمات اللہ فینتقم فیھا للہ اوکما قال۔ کہ آپ اپنے واسطے اپنی ذات کیلئے کسی سے کسی بات میں انتقام نہ لیتے تھے ہاں

اگر حرمات کی توہین ہوتی دیکھتے تو اسوقت اللہ تعالیٰ کیلئے انتقام لیتے تھے۔ اور گو ظاہرا یہ
تفسیر سیاق سے بعید ہے مگر ایک بار ذوقاً کچھ قریب معلوم ہوئی تھی اسی لئے اس مقام پر اپنے
دعوے کی تائید میں اسکو ذکر کردیا گو وہ دعوے اسپر موقوف نہیں باایں ہمہ ظاہر ہے کہ آپکو کفار کی ان
گستاخیوں سے جو حضرت حق کی شان میں وہ کرتے تھے سخت رنج ہوتا تھا تو ایسے شدید حزن کیلئے
نہایت قوی تسلی کی ضرورت ہے اور یہاں تسبیح یعنی صلوٰۃ کو تسلی کے طور پر بیان کیا گیا ہے
اور عادۃً عاشق کو تسلی کسی چیز سے ایسی نہیں ہوتی جیسے محبوب کے قرب و مشاہدہ سے ہوتی ہے
پس معلوم ہوا کہ نماز میں ایسا قوی قرب و مشاہدہ ہوتا ہے جو کسی اور امر سے نہیں ہوتا ورنہ حق
تعالیٰ تسلی کیلئے اسی امر کی تعلیم کو اختیار فرماتے اسی لئے حدیث میں آتا ہے کان اذا حزبہ
امر فزع الی الصلوٰۃ کہ جب حضور کو کوئی بڑا فکر پیش آتا تو آپ جلدی سے نماز میں مشغول ہوجاتے
کیوں اسی لئے تاکہ حق تعالیٰ سے باتیں کرکے دل بہلائیں اور تسلی و سکون حاصل کریں واقعی تجربہ
و مشاہدہ ہے کہ رنج و فکر میں نماز میں مشغول ہوجانے سے رنج بہت کم ہوجاتا ہے اور اگر موانع قرب
کم ہوں تو بالکل رنج کا ازالہ ہوجاتا ہے تجربہ کرکے دیکھ لیا جائے زیادہ کہنے کی کیا ضرورت ہے جب
نماز میں حق تعالیٰ کیساتھ ہمکلامی ہے اور انکی تسبیح و تقدیس ہے یہی مشاہدہ کافی ہے کہ بندہ حق تعالیٰ
کیطرف بانشراح متوجہ ہوجائے اگر اسمیں کمی ہو تو البتہ مشاہدہ میں کمی ہے اسکی تلافی کرنا چاہئے
پھر بتدریج یہ مرتبہ حاصل ہوجائیگا کہ نماز میں حق تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف توجہ نہ رہے تو آپکو خود ہی اسکا
لطف حاصل ہوگا اور اسوقت آپ سمجھیں گے کہ میں نے جو اس مشاہدہ کو کافی کہا ہے یہ صحیح تھا دنیا میں
بڑی کامیابی بندہ کی یہی ہے کہ حق تعالیٰ کیطرف یکسوئی کیساتھ نماز میں توجہ نصیب ہوجائے اسی کے واسطے
صوفیہ مجاہدہ کرتے ہیں اور اسی کو مشاہدہ سے تعبیر کرتے ہیں پھر نماز میں تلاوت قرآن بھی ہوتی ہے اور قرآن
ایسی چیز ہے جسمیں ایک مستقل شان مشاہدہ کی ہے کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ کلام میں متکلم کا جلوہ ہوتا ہے اور
کسی کے کلام کو دیکھ لینا گویا متکلم کو دیکھ لینا ہے کیونکہ اس سے متکلم کی طبیعت کا انداز اور رنگ بخوبی
معلوم ہوجاتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اخبار میں جو عورتوں کے مضامین شائع ہوتے ہیں تو اہل ادراک اسی سے
انکی طبیعت کی شوخی وغیرہ کا پتہ لگالیتے ہیں واقعی ویسا ہی ہے جیسے بےحجاب دیکھ لیا اسی لئے بعض فقہاء
نے صوت عورت کو عورت کہا ہے گو بدن مستور ہی ہو کیونکہ گفتگو اور کلام سے بھی عشق و میلان ہوجاتا ہے

اسی واسطے میں عورتوں کے مضامین کا اخبارات میں شائع ہونا پسند نہیں کرتا بلکہ ناجائز سمجھتا ہوں ہاں اگر یہ نہ ظاہر کیا جائے کہ یہ مضمون عورت کا ہے تو مضائقہ نہیں مگر اس میں بھی یہ شرط ہے کہ عورت خود اڈیٹر سے خط وکتابت نہ کرے کیونکہ اڈیٹر خط سے بھی پہچان لیتے ہیں کہ کاتب مرد ہے یا عورت ایک جگہ اس مضمون نویسی سے بڑا فتنہ ہو گیا کہ عورت اخبار کے اڈیٹر سے اسی سلسلہ میں خط وکتابت کرتی تھی اڈیٹر کے خطوط بھی اسکے نام آتے تھے اول اول تو مضامین ہی کے متعلق خط وکتابت تھی پھر محبت آمیز خط آنے لگے اب اس عورت کا خاوند اڈیٹر سے خط وکتابت کو منع کرتا ہے مگر عورت باز نہیں آتی میں نے کہا کہ یہ اسکا نتیجہ ہے کہ آپنے ابتدا میں خط وکتابت کو گوارا کیا بس اگر کسی کو ایسا ہی اپنی بیوی کے مضامین شائع کرانیکا شوق ہو تو اسکو بلاواسطہ خط لکھنے کی اجازت نہ دے بلکہ مرد اپنے آپ اپنے نام سے مضمون بھیجے اور میرے نزدیک تو یہ بھی پسند نہیں گو میں اسکی حرمت پر فتوی نہیں دیتا مقصود میرا یہ ہے کہ صرف کلام سے بھی متکلم کا بہت کچھ مشاہدہ ہو جاتا ہے اسپر مجھے ایک حکایت یاد آئی زیب النساء عالمگیر کی بہن بہت بڑی شاعرہ تھی جس کا تخلص مخفی تھا ایک دفعہ شاہ ایران کو خبط سوجھا کہ آپنے ایک بے تکا مصرع موزوں کیا۔

مصرع در ابلق کسے کم دیدہ موجود + پھر سارے شعراء کو جمع کیا کہ اسپر دوسرا مصرعہ لگاؤ تمام شعراء عاجز ہو گئے کہ ہمسے اسپر مصرع نہیں لگتا یہ تو کون کہتا کہ حضور کا مصرع ہی بیہودہ ہے مگر مطلب یہی تھا۔ چونکہ اسوقت ہندوستان میں بھی فارسی کے شعراء ایسے تھے جو اہل فارس کی برابری کرتے تھے اسلئے شاہ ایران نے یہ مصرع شاہ دہلی کے پاس بھیجدیا کہ اپنے یہاں کے شعراء سے اسپر دوسرا مصرع لگوا کر بھیجدیجئے کیونکہ شعراء ایران سب عاجز ہو گئے بادشاہ نے تمام شعراء کو اسکی اطلاع کر دی یہ خبر زیب النساء کو بھی پہونچی وہ بھی فکر میں ہوئی۔ ایک دن صبح کے وقت زیب النساء نے جو سرمہ لگایا تو وہ کچھ آنکھ میں تیز لگا جسکی تیزی سے ایک آنسو گرا جو سرمہ کی سیاہی سے ملکر در ابلق کی مثال ہو گیا تھا فوراً شاہ ایران کے مصرع کی طرف ذہن منتقل ہوا اور دوسرا مصرع سمجھ میں آگیا

شعر

در ابلق کسے کم دیدہ موجود — مگر اشک بتان سرمہ آلود

محبوب کے آنسو کو تو موتی سے تشبیہ دیا ہی کرتے ہیں سرمہ کی آلودگی سے اسکو در ابلق کہنا نہایت

ہی موزوں ہو گیا اور واقعی اس مصرع کے سوا اور کوئی مصرع اسپر لگ بھی نہ سکتا تھا اور نہ در ابلق کی مثال اس سے بہتر کوئی بیان کر سکتا ہے اُس نے فوراً شاہ دہلی کو اطلاع کی کہ شاہ ایران کی درخواست پوری ہو گئی اور یہ مصرع لکھکر بھیجدیجئے اس سے شاہ دہلی بھی خوش ہوئی کہ جس مصرع کے پورا کرنیسے شعراء ایران عاجز ہو گئے تھے ہندوستان کی شاعرہ نے اسکو پورا کر دیا اور بہت اچھا پورا کیا واقعی بادشاہوں کا دماغ بھی بادشاہ ہوتا ہی غرض ایران خط پہونچا شاہ ایران کو بھی بڑی خوشی ہوئی کہ ہمارا مصرع بیہودہ نرہا اور تمام شعراء کو بلا کر جمع کیا اور کہا دیکھو ہندوستان کے ایک شاعر نے ہمارے مصرع پر مصرع لگا دیا شعراء نے جب سنا ہو تو عش عش کر گئے کہ واقعی بہت اچھا جوڑ لگایا شاہ ایران سے عرض کیا کہ اس شاعر کو یہاں بلائیے ہم اسکی شاگردی اختیار کریں گے شاہ ایران نے دہلی خط لکھا کہ اس شاعر کو ایران بھیجدیا جائے ہم اسکی بہت تعظیم و تکریم کریں گے اور تمام شعراء اسکی شاگردی اختیار کریں گے شاہ دہلی نے زیب النساء کو خط سنایا اور کہلوا دیا شاعری کروا ہے جاؤ ایران تمہارا وہاں سے بلاوا آیا ہے۔ زیب النساء نے کہا کہ میرے جانیکی ضرورت نہیں آپ شاہ ایران کو لکھدیجئے کہ میں نے شاعر سے آپ کی تحریر کا تذکرہ کیا تھا اُس نے یہ جواب دیا اور جواب میں بھی شعر ہی لکھوایا۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل . ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

اس جواب سے شاہ ایران سمجھ گئے کہ شاعر عورت ہے تو دیکھیے مخفی نے اپنے کلام کے دیکھنے کو خود اپنے ہی دیکھنے کی قائم مقام بتلایا اور واقعی یہ مبالغہ نہیں کلام کا اثر بھی وہی ہوتا ہے جو متکلم کا ہوتا ہے گو برابر نہ سہی مگر قریب قریب تو ہوتا ہی ہے اب حق تعالیٰ کا کلام قرآن آپکے سامنے ہے اسکو پڑھ لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کو دیکھ لیا یہ دوسرا مشاہدہ ہے جو نماز میں ہوتا ہے پھر محبوب سے ہمکلام ہونیکے بعد جی چاہتا ہے کہ اُن کا ذکر کریں انکی شاد حمد کریں تو نماز سر سے آخر تک ذکر ہی ذکر ہے اور یہ سب وہ امور ہیں جو عاشق کو خود مقصود بالذات ہوتے ہیں تو یہ نماز کے اجزاء محض اعمال ہی نہیں بلکہ ثمرات بھی ہیں نیز نماز جب عین ذکر ہے جیسا عنقریب آتا ہے تو اب اقم الصلوٰۃ لذکری ایسا ہے جیسا کہ یوں فرماتے

اقم الصلوٰۃ للصلوٰۃ یا یوں فرماتے اذکرنی لذکری کیونکہ ذکر اور صلوٰۃ میں تغایر نہیں ہے بلکہ حقیقۃً اتحاد ہے گو اعتباری تغایر تو ہے اور اسی لحاظ سے لذکری پر لام کا داخل ہونا بھی صحیح ہو گیا مگر واقع میں تغایر نہیں گو عنوان دو ہیں بلکہ نماز عین ذکر ہے اور ابھی معلوم ہو چکا کہ عاشق کو محبوب کا ذکر خود بالذات مقصود ہوتا ہے تو نماز کا مقصود بالذات ہونا اس سے بھی ثابت ہو گیا اور یہ بات سوائے نماز کے کسی طاعت میں نہیں ہے کہ وہ خود عمل بھی ہو اور ثمرہ بھی پس نماز کی یہ حقیقت ہونا پھر موسیٰ علیہ السلام کو مقام قرب خاص میں اس کا امر ہونا یہ کتنا بڑا شرف ہے اب صلوٰۃ کا ذکر ہونا جس آیت سے مستفاد ہوتا ہے اسکو ذکر کرتا ہوں مگر ایک تفسیر پر وہ آیت یہ ہے اتل ما اوحی الیک من الکتاب واقم الصلوٰۃ ط ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر ط اسکی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ لذکر اللہ اکبر میں ذکر مستقل امر ہو یہ مطلب یہ ہوگا کہ جو کتاب آپکی طرف نازل ہوئی ہے اُسکی تلاوت کیجئے اور نماز کو قائم کیجئے بیشک نماز بیحیائی اور گناہ سے روکتی ہے یہانتک تو قرآن اور نماز کا ذکر تھا آگے ذکر اللہ کا امر ہے کہ اللہ کی یاد بڑی چیز ہے اسی جگہ سے بعض جہلاء صوفیہ کو غلطی ہوئی کہ وہ صرف ذکر کو لیکر بیٹھ گئے اور نماز وغیرہ کے تارک ہو گئے حالانکہ اول تو یہ ضرور نہیں کہ اکبر کا مفضل علیہ یہاں نماز و تلاوت ہو اور ذکر کی افضلیت اُن کے اعتبار سے بیان کرنا مقصود ہو ممکن ہے کہ مقصود یہ ہو کہ ذکر بھی فی نفسہ بہت بڑی چیز ہے یہ مطلب نہو کہ نماز و قرآن سے بھی اکبر ہے دوسرے اگر یہی مان لیا جائے کہ وہ نماز و تلاوت سے کسی خاص وجہ سے اکبر ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ نماز و تلاوت وغیرہ بیکار ہیں قابل ترک ہیں اگر اکبر کے سامنے اصغر بیکار ہو تو چاہیے کہ ان ہی مستدل شاہ صاحب کے چھوٹے بیٹوں کو بڑے کے ہوتے ہوئے ذبح کر دیا جائے اور اگر انکے نزدیک بڑے بیٹے کے ہوتے ہوئے بھی اصغر کے وجود کی ضرورت ہے اور وہ اُسکے ذبح پر راضی نہیں ہیں تو پھر یہاں کیوں دعوی کیا جاتا ہے کہ ذکر کے ہوتے ہوئے نماز وغیرہ کی ضرورت نہیں خیر یہ تو مشہور تفسیر تھی اور میں نے ثابت کر دیا کہ اس سے بھی جہلاء صوفیہ کا مدعی حاصل نہیں ہوتا مگر میرے

نزدیک اسکی دوسری تفسیر ہے وہ یہ کہ اتل ما اوحی الیک میں تو تلاوت قرآن کا امر ہے
اور اسکی فضیلت بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسکی
اصل ایک صفت ہے حق تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کی صفت فضیلت ظاہر ہے اسکے بعد
نماز کا امر ہے اور نماز چونکہ ہمارا عمل ہے اسلیے اسکی فضیلت بیان کرنے کی ضرورت تھی تو
اسکی یہ فضیلت بتلائی گئی کہ وہ فحشاء و منکر سے روکتی ہے آگے اسکی علت کا بیان ہے
کہ نماز فحشاء و منکر سے کیوں روکتی ہے لانہا ذکر اللہ ولذکر اللہ اکبر وہ اسواسطے
گناہوں اور بیحیائی سے روکتی ہے کہ وہ ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ بڑی چیز ہے جو محبت
وخشیت پیدا کرتا ہے پھر وہ فحشاء و منکر سے کیوں نہ روکیگا۔ جب اس آیت کی یہ تفسیر
لی جاوے۔ اور یہ تفسیر قواعد کے بھی خلاف نہیں بلکہ غور کیا جاوے تو اوفق بالسیاق
ہے تو اب اگر میں اقم الصلوٰۃ لذکری میں ذکر سے صلوٰۃ ہی کو مراد لوں تو کیا بعید ہے
غرض میرا یہ دعویٰ بیغبار ہو گیا کہ نماز لذاتہ بھی مقصود ہے اور روزہ و حج و زکوٰۃ وغیرہ میں
مقصودیت لذاتہا کی اس درجہ کی شان نہیں بلکہ وہ مقصود لغیرہا ہیں بلکہ اگر غور کیا
جائے تو ان میں عبادت کی شان بھی ایک عارض کی وجہ سے ہے مثلاً ترک طعام
وشراب و جماع جو روزہ کا رکن ہے یہ خود فی نفسہ عبادت نہیں لیکن عارض کسر نفس کی وجہ
سے یہ عبادت ہو گیا بلکہ اگر اسمیں تشبہ بالحق کی شان پر نظر کی جاوے تو اسمیں تو شان
عبادت کی جگہ دوسری شان کا غلبہ نظر آویگا اسی طرح حج میں بھی جتنے افعال ہیں وہ
ایک عارض کی وجہ سے عبادت ہیں ورنہ دوڑنا بھاگنا گھومنا پتھر پھینکنا معمولی افعال ہیں
مگر عبادت اس لیے قرار دیئے گئے کہ عشاق بندوں کو بیت اللہ کے منسوب الی اللہ ہونے سے
طواف بیت سے کسی درجہ میں تسلی ہو جیسا کہ محبوب کے تخت کے طواف سے تسلی ہوتی
ہے اسی طرح دوسرے افعال بھی عاشقانہ مقرر کیے گئے تاکہ اسمیں داعیۂ محبت کی ترقی
اور بندوں کی تسلی ہو اسلیے یہ عبادت ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی حاجت فقیر کے لحاظ سے
عبادت ہے اور جہاد و اضحیہ وغیرہ میں تو فقہاء نے خود کہا ہے کہ جہاد و اراقت دم حیوان
فی نفسہ عبادت نہیں بلکہ اتلاف نفوس ہے لیکن عارض اعلاء کلمۃ اللہ کی وجہ سے عبادت

ہوگئی غرض اور سب عبادات ہیں عوارض کی وجہ سے عبادت کے معنی پیدا ہوگئے تو وہ
مقصود لغیرہا ہیں اور نماز خود عبادت ہے جیسا مذکور ہوا۔ پس نماز ہی ایسی عبادت ہے
جو مقصود بالذات ہے پھر حیرت ہی نہیں کہ اس عبادت سے عورتوں کو شوق نہیں اور نہ
اس کا اہتمام ہے اور جو عبادتیں مقصود لغیرہا ہیں اُن کا بڑا شوق ہے یہ تو بے نمازیوں کو
سنانا تھا اب نمازیوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ اپنی نماز پر ناز نکریں کیونکہ حق تعالیٰ نے
محض صل نہیں فرمایا کہ نماز پڑھا کرو بلکہ اقم الصلوٰۃ فرمایا ہے جسمیں اقامت کا امر ہے
اور اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ اُس کے سب ارکان اعتدال و تسویہ کے ساتھ ادا کیے جائیں
تو نماز پڑھکر بیفکر نہو جیے بلکہ اقامت کی کوشش کیجیے اب میں ختم کرتا ہوں دعا کیجیے
حق تعالیٰ ہمکو نماز کا شوق عطا فرمائے اور اقامت صلوٰۃ کی توفیق
نصیب ہو وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی
آلہ واصحابہ اجمعین و اٰخر دعوٰنا
ان الحمد للہ رب
العلمین

اشرف علی

۷ ر ذیقعدہ سنہ ۱۳۵۰ھ